مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے، وفاتِ مسیح علیہ السلام پر قرآنی دلائل کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

محمد عمران *
عبدالرؤف ظفر **

ABSTRACT:

This paper is a critical review of the belief of Ahmadies (Qadyani) that Prophet Essa (Peace be upon him) is dead. Ahmadies say that their belief is true in the light of the Holy Quran. However, this belief is contradictory to what have been said in the Holy Quran, sayings of the Holy Prophet Muhammad (Peace be upon him) and the view of a great majority of Muslim scholars.

بانی جماعت احمدیہ مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۳۵ء۔۱۹۰۸ء) کے باطل عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔حالانکہ یہ عقیدہ قرآن وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہے۔خود مرزا غلام احمد قادیانی بھی ابتدائی زمانہ میں اس بات کے قائل تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حیات ہیں اور قرب قیامت ان کا دوبارہ ظہور ہوگا۔چنانچہ مرزا غلام احمد لکھتے ہیں"یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مسیح ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ایک اول درجہ کی پیش گوئی ہے جس کو سب نے باتفاق قبول کرلیا ہے اور جس قدر صحاح میں پیش گوئیاں لکھی گئی ہیں کوئی پیش گوئی اس کے ہم پہلو اور ہم وزن ثابت نہیں ہوتی۔صداقت کا اول درجہ اس کو حاصل ہے انجیل بھی اس کی مصدق ہے۔"(۱) مزید لکھتے ہیں"وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب خدا تعالیٰ مجرمین کے لیے قہر اور سختی کو استعمال میں لائے گا اور حضرت مسیح علیہ السلام نہایت جلالت کے ساتھ دنیا پر اتریں گے۔"(۲) لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی نے مختلف دعووں میں سے ایک دعویٰ عیسیٰ اور مسیح ہونے کا بھی کیا اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے اس نے سب سے پہلے قرآن مجید کا سہارا لیا۔اور قرآنی

* پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، پاکستان
برقی پتا: muhammadimranpak3@gmail.com
** ڈاکٹر، چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، پاکستان　　برقی پتا: draraufzafar@gmail.com
تاریخِ موصولہ: ۲۲/۲/۲۰۱۴ء

آیات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم فوت ہو گئے ہیں۔اس پر قرآنی آیات میں ایسے شکوک و شبہات اور غلط معانی پیش کیے جو آج تک امت محمدیہ میں سے کسی مفسر قرآن نے بیان نہیں کیے۔اور حدیث میں جس مسیح کا قرب قیامت آنے کا تذکرہ ہے اس کو اپنے اوپر چسپاں کیا۔حالانکہ حدیث مبارکہ میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے متعلق فرمان نبوی ﷺ ہے ”**عن بن سیرین قال ینزل ابن مریم علیه ممصرتان بین الاذان والاقامة فیقولون له تقدم فیقول بل یصلی بکم امامکم انتم امراء بعضکم علی بعض۔**“(۳)

مقالہ ہذا میں مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے اس عقیدے پر قرآنی دلائل کو تفصیل سے بیان کر کے مدلل انداز میں اس کا رد کیا گیا ہے۔تاکہ اہل علم کے مستفید ہونے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کے ہر ہر فرد کو اس غلط عقیدے سے آگاہ اور محفوظ رکھا جا سکے۔مرزا غلام احمد قادیانی نے وفات مسیح علیہ السلام کو ثابت کرنے کے لیے درج ذیل قرآنی آیات کا سہارا لیا ہے۔

۱۔**إِذْ قَالَ اللّٰہُ یَا عِیسَىٰ إِنِّی مُتَوَفِّیکَ وَرَافِعُکَ إِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِینَ کَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِینَ اتَّبَعُوکَ فَوْقَ الَّذِینَ کَفَرُوا إِلَىٰ یَوْمِ الْقِیَامَةِ**(۴) سے استدلال کرتے ہوئے مرزا غلام احمد لکھتے ہیں ”اے عیسیٰ! میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور پھر عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں کی تہمتوں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے منکروں پر قیامت تک غلبہ دینے والا ہوں۔“(۵)۔

اس آیت کے ماتحت مرزا غلام احمد نے اپنی تفسیر کے اندر درج ذیل طریقے سے استدلال کیا ہے:

۱۔ علم نحو میں یہ قاعدہ مانا گیا ہے کہ توفی کے لفظ میں جہاں خدا فاعل اور انسان مفعول بہ ہو ہمیشہ اس جگہ توفی کے معنی مارنے اور روح قبض کرنے کے آتے ہیں۔

۲۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کے تیئیس مقامات میں لفظ توفی کو قبضِ روح کے موقع پر استعمال کیا ہے، اول سے آخر تک قرآن میں کسی جگہ لفظِ توفی کا کوئی اور معنیٰ نہیں کیا گیا۔

۳۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے انی متوفیک پہلے لکھا اور رافعک بعد۔جس سے ثابت ہوا کہ وفات پہلے ہوئی اور رفع بعد از وفات ہوا۔

۴۔ احادیث میں جہاں کہیں توفی کا لفظ آیا ہے اس کے معنیٰ مارنا ہی آئے ہیں۔محدثین پر یہ بات پوشیدہ نہیں۔

۵۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم سے یا کسی حدیث رسول ﷺ سے یا اشعار و قصائد و نظم و نثر قدیم و جدید عرب سے یہ ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ توفی کا لفظ خدائے تعالیٰ پر فعل ہونے کی حالت میں جو ذوی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو وہ بجز قبضِ روح اور وفات دینے کے کسی اور معنیٰ پر بھی اطلاق پایا گیا ہے یعنی قبضِ جسم کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے تو میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر اقرارِ صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار روپیہ نقد دوں گا اور آئندہ اس کی کمالات، حدیث دانی، قرآن دانی کا اقرار کر لوں گا۔

۶۔ قرآن کریم کی آیتِ موصوفہ بالا میں ہر چہار فقرے ترتیب طبعی سے بیان کیئے گئے ہیں لیکن حال کے متعصب ملا جن کو یہودیوں کی طرز پر ''یحرفون الکلم عن مواضعہ'' کی عادت ہے اور مسیح ابن مریم کی حیات ثابت کرنے کے لئے بے طرح ہاتھ پیر مار رہے ہیں اور کلامِ الٰہی کی تحریف وتبدیل پر کمر باندھ لی ہے وہ نہایت تکلف سے خدا تعالیٰ کے ان چار ترتیب وار فقروں میں دو فقروں کی ترتیب طبعی سے منکر ہو بیٹھے (۶)۔

ان تمام دلائل کے ذریعے مرزا غلام احمد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کو ثابت کرتے ہیں لیکن یہ تمام دلائل جو مرزا غلام احمد نے دیئے ہیں اصولی طور پر غلط ہیں اس لئے کہ مرزا غلام احمد نے جو یہ اصول بیان کیا ہے کہ نحو کی کتابوں میں یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ جہاں توفیٰ کے لفظ میں خدا فاعل اور انسان مفعول بہ ہو وہاں ہمیشہ توفی کا معنیٰ مارنے اور روح قبض کرنے کے آتے ہیں۔ مرزا غلام احمد کا یہ قاعدہ علم النحو کی کسی کتاب میں بھی موجود نہیں، مرزا غلام احمد نے یہ قاعدہ اپنی طرف سے گھڑا ہے۔

مرزا غلام احمد نے اس آیتِ مبارکہ سے جو دوسرا استدلال کیا ہے وہ استدلال مرزا کے اپنے الہامات سے متصادم ہے۔

۱۔ انی متوفیک و رافعک الی۔ میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا (۷)۔ یہ مرزا کے بقول اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر الہام ہوا تھا۔

۲۔ یعیسیٰ انی متوفیک۔ اس جگہ مرزا نے اس کے معنیٰ بیان کیے ہیں کہ میں تجھے ذلیل اور لعنتی موت سے بچاؤں گا (۸)۔ ان جگہوں پر مرزا غلام احمد کا قاعدہ خود ہی غلط ثابت ہو رہا ہے، اس لئے کہ ان جگہوں پر لفظ توفیٰ ہے خدا فاعل ہے اور مرزا غلام احمد مفعول بہ، پھر بھی اس کے باوجود معنیٰ موت کے نہیں لیے جا رہے ہیں اور اس طرح یہ کہنا کہ قرآن مجید میں لفظ توفیٰ کے معنیٰ قبضِ روح اور مارنے کے اور کوئی معنیٰ نہیں ہے، مرزا غلام احمد کی اس بات کی تردید خود اس کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود احمد (۱۸۸۹ء۔۱۹۶۵ء) نے اپنی تفسیر میں کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ''ثم توفیٰ کل نفس ما کسبت و ھم لا یظلمون'' پھر ہر ایک شخص کو جو کچھ اس نے کمایا ہوگا پورا (پورا) دے دیا جائے گا اور ان پر (کچھ بھی) ظلم نہیں کیا جائے گا (۹)۔

۲۔ و وفیت کل نفس ما کسبت و ھم لا یظلمون (۱۰)

ہر شخص نے جو کچھ کمایا ہوگا (اس دن) وہ اسے پورا پورا دے دیا جائے گا اور ان پر (کچھ بھی) ظلم نہیں ہوگا (۱۱)۔

۳۔ فاما الذین أمنوا و عملوا الصٰلحٰت فیو فیھم اجورھم (۱۲)

پھر جو لوگ مؤمن تھے اور انہوں نے نیک (ایمان کے مناسب حال) عمل کئے تھے انہیں وہ ان کے پورے پورے بدلے دے گا (۱۳)۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ان آیات مبارکہ کے ترجمے میں توفی کے معنی موت نہیں کیے۔ اسی طرح مرزا غلام احمد

کا یہ کہنا کہ احادیث میں جہاں کہیں توفی کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں پر توفی کے معنی مارنا ہی آئے ہیں۔ یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔اس لیے کہ حدیث مبارکہ ہے "عن ابن عمر رضی اللہ عنہ و اذا رمی الجمار لا یدری احد ماله حتی یتوفه الله یوم القیامة (۱۴)" جب رمی جمار کیا جاتا ہے تو کوئی نہیں جانتا کہ اس کے لیے کیا ثواب ہے یہاں تک کہ پورا انعام دے گا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن۔" اس حدیث میں توفی کے معنی موت نہیں لیا جا سکتے۔

اسی طرح توفی کے معنی وفیٰ ہیں اور اس کے حقیقی معنی کسی چیز کا پورا لینا ہے جب کہ مجازی طور پر نیند اور موت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے مگر کسی قرینہ کے سبب۔اور اسی طرح مفسرین نے توفی کے تین معنی بیان کیے ہیں۔

۱۔نیند ۲۔موت ۳۔آسمان پر اٹھانا

اکثر مفسرین نے توفی کے معنی پورا پورا لینا بیان کیا ہے جبکہ بعض نے نیند اور بعض نے اس سے موت مراد لیے ہیں اگر اس کے نیند معنی لیے جائیں تو پھر اس طرح کہا جائے گا "اے عیسیٰ میں تجھے سلاؤں گا اور اسی حالت میں تجھے آسمان پر اٹھاؤں گا۔" اور اگر اس آیت میں توفی کے معنی موت لیے جائیں تو پھر آیت قرآنیہ میں عمل تقدیم و تاخیر کیا جائے گا کہ رفع اور تطہیر کا وقوع پہلے ہوگا اور موت نزول علی الارض کے بعد واقع ہوگی اور اسی آخری بات کے متعلق مرزا غلام احمد لکھتے ہیں کہ قرآن میں تقدیم و تاخیر تحریف قرآنی ہے جو کہ جائز نہیں اور قرآن کے الفاظ جواہر مرصع کی طرح اپنے محل پر چسپاں ہیں۔مرزا غلام احمد کا یہ کہنا کہ قرآن میں تقدیم و تاخیر تحریف قرآنی ہے یہ غلط ہے اس لیے کہ قرآن میں بہت سی ایسی آیات موجود ہیں کہ جس میں ظاہری ترتیب میں ایک جملہ پہلے مذکور ہے جب کہ عملاً اس کا وقوع بعد میں ہوتا ہے۔مثلاً:

۱۔وَأَقِيمُوا الصَّلاَةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ (۱۵)

۲۔واسجدی وارکعی مع الرکعین (۱۶)

۳۔مَاهِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا (۱۷)

ان آیاتِ مبارکہ میں ظاہری طور پر ایک جملہ پہلے مذکور ہے جبکہ عملاً اس کا وقوع بعد میں ہوتا ہے اسی طرح یہ کہنا کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی لفظ توفیٰ آیا ہے وہاں سوائے قبضِ روح اور موت کے اور کوئی معنی نہیں یہ بات بھی سراسر غلط ہے اور قرآن خود اس بات کی تردید کر رہا ہے۔

وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا (۱۸)۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (۱۹)۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم (۲۰)۔

وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (۲۱)۔

ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (۲۲)۔

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لاَّ رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لاَ يُظْلَمُونَ ۔(۲۳)

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ۔(۲۴)

بَلَى مَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَاتَّقَى فَإِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (۲۵)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَوْفُواْ بِالْعُقُودِ (۲۶)۔

اس کے علاوہ بہت سی قرآنی آیات ایسی آتی ہیں جو اس بات کی تردید کرتی ہیں کہ قرآن میں لفظ توفی سوائے قبضِ روح اور موت کے اور کسی معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔

۲۔ ''بَل رَّفَعَهُ اللّهُ إِلَيْهِ'' (۲۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''یعنی مسیح ابن مریم مقتول و مصلوب ہو کر مردود اور ملعون لوگوں کی موت سے نہیں مرا جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے بلکہ خدا تعالیٰ نے عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھا لیا جاننا چاہئے کہ اس جگہ رفع سے مراد وہ موت ہے جو عزت کے ساتھ ہو جیسا کہ دوسری آیت اس پر دلالت کرتی ہے ...... **ورفعناه مكانا عليا** یہ آیت حضرت ادریس علیہ السلام کے حق میں ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ ہم نے ادریس کو موت دے کر مکانِ بلند میں پہنچا دیا کیونکہ اگر وہ بغیر موت کے آسمان پر چڑھ گیا تو پھر بوجہ ضرورت موت جو ایک انسان کے لئے لازمی امر ہے یہ تجویز کرنا پڑے گا یا تو وہ کسی وقت اوپر ہی فوت ہو جائیں اور یا زمین پر آ کر فوت ہو، مگر یہ دونوں شق ممتنع ہیں کیونکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ جسمِ خاکی موت کے بعد پھر خاک میں داخل کیا جاتا ہے اور خاک ہی کی طرف عود کرتا ہے اور خاک ہی سے حشر ہوگا اور ادریس کا پھر زمین پر آنا اور دوبارہ آسمان سے نازل ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے لہٰذا یہ امر ثابت ہے کہ رفع سے مراد اس جگہ موت ہے مگر ایسی موت جو عزت کے ساتھ ہو جیسا کہ مقربین کے لئے ہوتی ہے کہ بعد موت ان کی روحیں علیین تک پہنچائی جاتی ہیں۔'' (۲۸)

اس جگہ پوری آیت کو بیان نہیں کیا گیا اور پھر آیت کے اس حصہ ''بَل رَّفَعَهُ اللّهُ إِلَيْهِ'' کا لفظی ترجمہ بھی نہیں کیا بلکہ اپنی منشاء کے مطابق کر دیا ہے کہ اس جگہ رفع سے مراد وہ موت ہے جو عزت کے ساتھ ہو حالانکہ عربی لغت میں رفع کے حقیقی معنی اٹھانا اور اوپر لے جانا ہے اور اس کے مجازی معنی بلندئ درجات ہے۔ اگر رفع اجسام کا ہے تو معنی حقیقی مراد لئے جائیں گے جیسے وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ (۲۹) اللّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (۳۰) اور اگر رفع اعمال درجات ہو تو وہاں مجازی معنی مقصود ہوگا جیسے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (۳۱) نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّن نَّشَاء (۳۲) تو لہٰذا جیسی چیز ہوگی ویسے ہی اس کا رفع ہوگا۔ قرآن مجید کی یہ آیت پوری ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ قرآنی مفہوم سمجھنا آسان ہو سکے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَـكِن شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُواْ فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلاَّ اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِيناً بَل رَّفَعَهُ اللّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللّهُ عَزِيزاً حَكِيماً (۳۳)۔ اس کا ترجمہ مرزا غلام احمد کے مریدِ خاص اور جماعتِ احمدیہ کے خلیفۂ اول حکیم نور الدین بھیروی

(۱۸۴۱ء۔ ۱۹۱۴ء) کے کیے ہوئے ترجمہ کی روشنی میں کرتے ہیں۔

''اور کہنا یہودیوں کا کہ ہم لوگوں نے عیسیٰ مسیح رسول اللہ مریم کے بیٹے کو قتل کیا اور ان لوگوں نے نہ مارا اس کو اور نہ سولی پر چڑھایا اس کو لیکن قتل اور سولی دینے کا شبہ ہوا ان کو اور ہر آئینہ جن لوگوں نے اختلاف کیا اس میں وہ اس کے مطابق شک میں ہیں اور ان لوگوں کو کچھ بھی یقینی علم نہیں مگر گمان کی پیروی اور نہ مارا اس کو از راہِ یقین بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔'' (۳۴)

یہاں پر حکیم نورالدین نے رفع کے معنی اٹھانے لیے ہیں اور مرزا غلام احمد کے معنی کی تردید کی ہے اسی طرح ہم رفع کے معنی عزت کی موت نہیں لے سکتے اس لئے کہ شروعِ آیت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نام مذکور ہے اور اس کے آگے ہے ماقتلوہ۔۔۔ ماصلبوہ۔۔۔ ماقتلوہ یقینا۔ ان جگہوں پر ضمیروں کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم مبارک ہے کیونکہ جسم ہی قتل کیا جاتا ہے اور جسم ہی کو سولی پر لٹکایا جاتا ہے تو رفعہ کی ضمیر کا مرجع بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم ہی ہوگا۔ اسی طرح یہودی جسمِ عیسیٰ کے قتل کرنے کے مدعی تھے جس کی نفی کی گئی اور اسی جسم سے متعلق کہا گیا کہ اللہ نے حضرت عیسیٰ کے جسم کو اپنی طرف اٹھالیا اور اگر رفع سے مراد روح ہونا کہ جسم اور رفع بمعنی موت ہو تو پھر قتل اور صلب کی نفی کرنا بے معنی ہوگا اور اگر رفع سے روحانی رفع بمعنی موت ہو تو ''کان اللہ عزیزا حکیماً'' کے جملہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس قسم کی بات ایسے موقع پر کی جاتی ہے جہاں کوئی زبردست اور غیر معمولی کام ہوا ہو اس لیے یہ کہنا کہ یہاں رفع سے مراد وہ موت ہے جو عزت کے ساتھ ہو یہ غلط ہے اور قرآنی مفہوم میں تحریف ہے۔

۳۔ ''فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (۳۵) کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''جب تو نے مجھے وفات دی تو تو ہی ان پر نگہبان تھا ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ تمام قرآن شریف میں توفی کے معنی یہ ہیں کہ روح کو قبض کرنا اور جسم کو بے کار چھوڑ دینا جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ ''ولکن اعبد اللہ الذی یتوفکم'' اور پھر فرماتا ہے ''حتی اذا جائتھم رسلنا یتوفونھم'' اور پھر فرماتا ہے ''توفتہ رسلنا'' ایسا ہی قرآن شریف کے تیئس مقامات میں برابر رفع کے معنی اماتت اور قبض روح ہے لیکن افسوس بعض علماء نے محض الحاد اور تحریف کی روح سے اس جگہ توفیتنی سے مراد رفعتنی لیا ہے اور اس طرف ذرا بھی خیال نہیں کیا کہ یہ معنی نہ صرف لغت کے مخالف ہے بلکہ سارے قرآن کے مخالف ہے پس یہی تو الحاد ہے۔ توفی کا لفظ نہ صرف قرآن کریم میں بلکہ جابجا احادیث نبویہ میں بھی وفات دینے اور قبض روح کے معنوں میں ہی آتا ہے چنانچہ میں نے غور سے صحاح ستہ کو دیکھا تو ہر اک جگہ جو توفی کا لفظ ہمارے نبی ﷺ کے منہ سے نکلا ہے یا کسی صحابی کے منہ سے تو ان معنوں میں محدود پایا گیا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ کسی ایک صحیح حدیث سے بھی کوئی ایسا توفی کا لفظ نہیں ملے گا جس کے کوئی اور معنی ہوں......بعض علماء جب دیکھتے ہیں کہ توفی کے معنی حقیقت میں وفات دینے کے ہیں تو پھر دوسری تاویل پیش کرتے ہیں کہ آیت ''فلما توفیتنی'' سے پہلے یہ آیت ہے ''إِذْ قَالَ

اللہ یا عِیسَی ابنَ مَریَمَ أأنتَ قُلتَ لِلنّاسِ اتَّخِذُونِی الخ'' ظاہر ہے کہ قال کا صیغہ ماضی کا ہے اور اس کے اول لفظِ اذ موجود ہے جو خاص ماضی کے واسطے آتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ وقتِ نزولِ آیت زمانہ ماضی کا ایک قصہ تھا نہ زمانہ استقبال کا اور پھر ایسا ہی جو جواب حضرت عیسیٰ کی طرف سے یعنی ''فلما توفیتنی'' وہ بھی بصیغہ ماضی ہے اور اس قصے سے پہلے جو بعض دوسرے قصے قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں وہ بھی انہی معنوں کے مؤید ہیں مثلاً'' وَإذ قَالَ رَبُّکَ لِلمَلائِکَةِ إِنِّی جَاعِلٌ فِی الأَرضِ خَلِیفَةً'' کیا اس کے یہ معنی کرنے چاہئیں کہ'' خدا تعالیٰ مستقبل کے زمانہ میں ایسا سوال کرے گا'' تو بس قرآن شریف اس سے بھرا ہوا ہے اور وہ حدیثیں بھی اس کی مصداق ہیں کہ موت کے بعد قبل از قیامت بھی بطور باز پرس سوالات ہی کرتے ہیں''۔(۳۶)

مرزا غلام احمد کی تقریر سے درج ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ مرزا غلام احمد کا اسرار ہے کہ توفی کا معنی پورے قرآن شریف میں روح کو قبض کرنے اور جسم کو بے کار چھوڑ دینے کے ہیں اور اپنی اس بات پر چند قرآنی آیات بھی پیش کی ہیں۔

۲۔ اس جگہ توفیتنی کا معنی رفعتنی کرنا الحاد اور تحریف ہے۔

۳۔ فلما توفیتنی (جو ماضی کا صیغہ ہے) سے پہلے جو آیت ہے ''اذ قال اللہ یعیسی'' اس میں بھی لفظِ قال ماضی کا صیغہ ہے اور پھر اس جگہ قال کے شروع میں لفظِ اذ موجود ہے جو ماضی کے لئے خاص ہے جس سے واضح ہوا کہ ''فلما توفیتنی'' کے نزول کے وقت یہ ماضی کا قصہ تھا۔

اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ پورے قرآن شریف میں توفی کے معنی روح کو قبض کرنے اور جسم کو بے کار چھوڑنے کے ہیں یہ سراسر غلط ہے اور اس پر بہت سی قرآنی آیات بھی مرزا غلام احمد کے قول کی تردید کررہی ہیں باقی رہا مرزا غلام احمد کا چند آیات اپنے اس قول پر پیش کرنا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات میں قرینہ سے توفی کے معنی موت کے ہیں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن میں باقی تمام جگہوں پر بھی توفی کے یہی معنی ہوں گے۔

مرزا غلام احمد کا یہ کہنا کہ ''فلما توفیتنی'' کے معنی رفعتنی کرنا الحاد اور تحریف ہے ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے اس لئے کہ بڑے بڑے علماء اور مفسرین نے اس کے یہی معنی دیے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

(فلما توفیتنی) المراد منه وفات الروح الی السمآء من قوله انی متوفیک و رافعک الی (۳۷)۔

(فلما توفیتنی) اے قبضتنی بالرفع الی السمآء کما یقال توفیت المال اذ قبضته و روی ھذا عن الحسن و علیه الجمھور و عن الجبائی ان المعنی امتنی و ادعی ان رفعه علیه السلام الی السمآء کان بعد موته و الیه ذھب النصاریٰ و قد مر الکلام فی ذٰلک (۳۸)۔

(فلما توفیتنی) یعنی قبضتنی و رفعتنی الیک و التوفی اخذ الشئی وافیا و الموت نوع منه قال اللہ تعالیٰ

اللہ یتوفی الأنفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا (۳۹)۔

اس کے علاوہ بہت سے مفسرین نے توفیتنی کے معنی یہی دیے ہیں۔ رہی مرزا غلام احمد کی یہ بات کہ توفیتنی ماضی کا صیغہ ہے اور اس سے پہلی آیت ''اذ قال اللہ'' میں لفظِ اذ ماضی کے لئے خاص ہے جس سے واضح ہوا کہ ''فلما توفیتنی'' کے نزول کے وقت یہ ماضی کا حصہ تھا۔ یہ بات بھی غلط ہے اس لے کہ اس آیت کے سیاق وسباق خود بتلا رہے ہیں کہ اس آیت کا تعلق قیامت کے دن سے ہے اور یہ واقعہ ''یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُولُ مَاذَآ أُجِبْتُمْ قَالُوْا لاَ عِلْمَ لَنَا'' سے شروع ہوکر ''قَالَ اللّٰہُ ھَذَا یَوْمُ یَنفَعُ الصَّادِقِیْنَ صِدْقُھُم'' پر مکمل ہو رہا ہے جس طرح ''یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُولُ مَاذَآ أُجِبْتُمْ قَالُوْا لاَ عِلْمَ لَنَا'' کا تعلق قیامت سے ہے اسی طرح ''فلما توفیتنی'' کا قول بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کا قیامت کے دن ہوگا۔

رہی یہ بات کہ توفیتنی کا اور اذ قال ماضی کے صیغے ہیں تو پھر مستقبل کے معنی کیوں دیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علمِ بلاغت کا یہ اصول ہے کہ جس امر کا وقوع ہونا یقینی ہو اس کو ماضی کے صیغے سے ذکر کر دیا جاتا ہے تا کہ اس کا قطعی ہونا واضح ہوجائے اور اس کی قرآن مجید میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

وَنُفِخَ فِیْ الصُّوْرِ فَإِذَا ھُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَی رَبِّھِمْ یَنسِلُونَ (۴۰)

وَلَوْ تَرَی إِذْ وُقِفُوا عَلَی رَبِّھِمْ قَالَ أَلَیْسَ ھَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَی وَرَبِّنَا (۴۱)

وَلَوْ تَرَی إِذْ فَزِعُوا فَلَا فَوْتَ وَأُخِذُوا مِن مَّکَانٍ قَرِیْبٍ وَقَالُوا آمَنَّا بِہِ (۴۲)

رہا لفظِ ''اذ'' کہ وہ ماضی کے لئے خاص ہے چنانچہ اس کے بارے میں علماءِ نحو نے تحریر کیا ہے ''اذ الکائنۃ للماضی۔۔۔ قد تجئی للمستقبل کأذا لأغلال فی أعناقھم و السلاسل یسحبون۔'' (۴۳)

مرزا غلام احمد اس آیت پر بخاری شریف کی ایک حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں ''و انہ یجاء برجال من امتی فیؤخذ بھم ذات الشمال، فأقول: یا رب أصحابی، فیقال: انک لاتدری ما أحدثوا بعدک، فأقول کما قال العبد الصالح (و کنت علیھم شھیداً ما دمت فیہ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم) فیقال: ان ھؤلآء لم یزالوا مرتدین علیٰ أعقابھم منذ فارقتھم۔'' (۴۴)

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مرزا غلام احمد لکھتے ہیں کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''فلما توفیتنی'' فرمانے سے موت کے معنی مراد ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان ''فلما توفیتنی میں بھی یہی موت کے معنی مراد ہیں۔

مرزا غلام احمد کا اس حدیث سے استدلال کرنا بھی غلط ہے اس لئے کہ عربی گرائمر میں ''ما'' اور ''کما'' میں فرق ہے۔ ''ما'' اسماءِ موصولہ میں سے ہے جبکہ ''کما'' میں ''ما'' کے ساتھ تو حرفِ تشبیہ ہے۔ حرفِ تشبیہ میں دو چیزوں کو ایک دوسرے

کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے مگر دونوں میں تشبیہ من کل الوجوہ نہیں ہوتی جیسے كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ (۴۵) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُم (۴۶) اگر حدیث میں یہ قول ہوتا ''أقول ما قال العبد الصالح'' پھر تو مرزا غلام احمد کی بات درست تھی لیکن حدیث میں ''اقول کما قال العبد الصالح'' ہے۔

۴۔ ''وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِه'' (۴۷) اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے مرزا غلام احمد ایک سائل کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ''سائل کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ اس نے اپنے دل میں خیال کرلیا ہے کہ آیت فرقانی کا منشاء یہ ہے کہ مسیح کی موت سے پہلے تمام اہلِ کتاب کے فرقوں کا اس پر ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ آیتِ موصوفہ بلا کے یہی معنی ہیں جیسا کہ سائل نے سمجھا ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ زمانہ صعود مسیح اس زمانہ تک کہ مسیح نازل ہو جس قدر اہل کتاب دنیا میں گزرے ہیں یا اب موجود ہیں یا آئندہ ہوں گے وہ سب مسیح پر ایمان لانے والے ہوں گے حالانکہ یہ خیال بالبداہت باطل ہے ہر ایک شخص خوب جانتا ہے کہ بے شمار اہل کتاب مسیح کی نبوت سے کافر رہ کر اب تک واصل جہنم ہو چکے ہیں اور خدا جانے آئندہ بھی کس قدر کفران کی وجہ سے آتشی تنور میں پڑیں گے اگر خدا کا یہ منشاء ہوتا کہ وہ اہل کتاب فوت شدہ مسیح کے نازل ہونے کے وقت اس پر ایمان لاویں گے کہ ان سب کو اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک کہ مسیح آسمان سے نازل ہو لیکن اب مرنے کے بعد ان کا ایمان لانا کیونکر ممکن ہے۔'' (۴۸)۔

اس آیت میں موجود لَيُؤْمِنَنَّ صیغہ واحد مذکر غائب مؤکد با نون ثقیلہ کہ اس کے شروع میں لام تاکید ہے۔ اس سے دو مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں ایک یہ کہ چونکہ یہ مضارع کا صیغہ ہے اور مضارع میں زمانہ حال و مستقبل دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور مضارع پر مؤکد با نون ثقیلہ لگانے سے یہ مستقبل کے لئے خاص کردیا جاتا ہے اور دوسرا یہ کہ مضارع کے جس صیغہ میں نون ثقیلہ لگا دیا جائے تو اس فعل میں قطعیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس جگہ پر لام مفتوح برائے تاکید ہے گویا اس سے تاکید در تاکید کا فائدہ ہوگا مثلاً ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ (۴۹) لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۵۰)

یہ بات کہ آیت میں بہ اور موتہ کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ تو ہم ''قولھم انا قتلنا المسیح'' سے ''یکون علیھم شھیدا'' تک دیکھیں تو بہ اور موتہ کے علاوہ باقی تمام ضمیریں اس آیت کے شروع میں موجود اسمِ ظاہر کی طرف لوٹ رہی ہیں لہٰذا بہ اور موتہ کی ضمیر بھی اسی اسمِ ظاہر کی طرف لوٹے گی اور جمہور مفسرین نے بھی اسی کی طرف لوٹایا ہے۔ چنانچہ تفسیر بحر المحیط میں ہے ''و الظاھر ان الضمیرین فی بہ و موتہ عائدان ان علی عیسیٰ و ھو سیاق الکلام۔'' (۵۱)

اسی طرح یہ کہنا کہ جس قدر اہل کتاب دنیا میں گزرے ہیں یا اب موجود ہیں یا آئندہ ہوں گے وہ سب مسیح پر ایمان لانے والے ہیں مسیح کی موت سے پہلے تو لازم تھا کہ ان سب کو اس وقت تک زندہ رکھا جاتا جب تک کہ مسیح آسمان سے

نازل ہوتے۔ یہ بات بھی غلط ہے اس لئے کہ اس آیت میں تو صرف اتنا ہے جو نزول مسیح کے وقت اہل کتاب ہوں گے وہ ایمان لے آئیں گے اس سے تمام اہلِ کتاب مراد نہیں اگر یہی مفہوم لیا جائے تو پھر ''قُلْ یَا أَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا إِلَی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ'' (۵۲) میں بھی یہی مفہوم لیا جائے گا جو کہ ٹھیک نہیں۔

۵۔ ''مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ إِلاَّ رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِہِ الرُّسُلُ وَأُمُّہُ صِدِّیْقَۃٌ کَانَا یَأْکُلاَنِ الطَّعَامَ'' (۵۳) سے وفاتِ مسیح پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ''یعنی مسیح صرف ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے نبی فوت ہو چکے ہیں، ماں اس کی صدیقہ ہے جب دونوں زندہ تھے تو طعام کھایا کرتے تھے۔ یہ آیت بھی صریح نص حضرت مسیح کی موت پر ہے کیونکہ اس آیت میں بتصریح بیان کیا گیا ہے کہ اب حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ مریم طعام نہیں کھاتے، ہاں کسی زمانہ میں کھایا کرتے تھے جیسا کہ کانا کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے جو حال کو چھوڑ کر گزشتہ زمانہ کی خبر دیتا ہے۔ اب ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مریم طعام کھانے سے اس وجہ سے روکی گئی کہ وہ فوت ہوگئی اور چونکہ کانا کے لفظ میں جو تثنیہ کا صیغہ ہے حضرت عیسیٰ بھی حضرت مریم کے ساتھ شامل ہیں اور دونوں ایک ہی حکم کے نیچے داخل ہیں، لہٰذا مریم کی موت کے ساتھ ان کی موت بھی ماننی پڑے گی کیونکہ آیت بالا میں ہرگز یہ بیان نہیں کیا گیا کہ حضرت مریم کو بوجہ موت طعام کھانے سے روکی گئی لیکن ابن مریم کسی اور وجہ سے اور جب ہم اس آیتِ مذکورہ کو دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھیں کہ 'ما جعلناھم جسدا لا یأکلون الطعام'' جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے کوئی ایسا جسم نہیں بنایا کہ زندہ تو ہو مگر کھانا نہ کھاتا ہو تو اسی یقینی اور قطعی نتیجہ تک ہم پہنچ جائیں گے کہ واقع حضرت مسیح فوت ہو گئے ہیں کیونکہ پہلی آیت سے ثابت ہو گیا کہ وہ کھانا نہیں کھاتے اور دوسری آیت بتلا رہی ہے کہ جب تک یہ جسمِ خاکی زندہ ہے طعام کھانا اس کے لئے ضروری ہے لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ زندہ نہیں۔'' (۵۴)

اس ترجمہ میں تبدیلی کی گئی ہے مثلاً پہلے نبی فوت ہو چکے ہیں، جب وہ زندہ تھے تو کھانا کھایا کرتے تھے تو نبی کا فوت ہونا اور زندہ تھے یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ باقی رہا ''کانا یأکلان الطعام'' جس کا مفہوم یہ ہے وہ دونوں کھانا کھاتے تھے یعنی جس طرح خدا کی دوسری مخلوق کھاتی ہے وہ بھی کھاتے تھے جس سے مقصود یہ ہے کہ وہ مخلوق تھے خود الٰہ نہ تھے یہاں وفات وحیات کا ذکر تک نہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ کانا ماضی کا صیغہ ہے لہٰذا دونوں زمانہ ماضی میں کھانا کھاتے تھے اب مریم بھی نہیں کھاتی تو وہ فوت ہوگئی ایسے ہی مسیح کی موت بھی ماننا پڑی کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ ایک حکم میں شامل ہے۔ مرزا غلام احمد کا یہ اصول بھی غلط ہے اس لئے کہ قرآن میں ہے مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوا (۵۵)۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِلَّ قَوْماً بَعْدَ إِذْ ھَدَاھُمْ (۵۶)۔ وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِیَنفِرُوا کَآفَّۃً (۵۷)۔

خلت کے معنی موت سے سمجھنا غلط ہے اس لئے کہ اس کے حقیقی معنی ''گزرنا'' ہے اور اگر کسی جگہ پر خلت کے معنی موت کے لئے استعمال ہوا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ موت کے معنی کے لئے حقیقتاً وضع ہی کیا گیا ہو جیسے وَإِذَا خَلَوْا

إِلَى شَيَاطِيْنِهِم (۵۸) وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (۵۹) سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهِ (۶۰)۔

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ان کی الوہیت کا انکار مقصود ہے یعنی جو کھاتا پیتا ہو وہ کیسے معبود ہوسکتا ہے؟

۶۔ ''وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَداً لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِيْنَ'' (۶۱) سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اور درحقیقت یہی اکیلی آیت کافی طور پر مسیح کی موت پر دلالت کررہی ہے کیونکہ کوئی جسمِ خاکی بغیر طعام کے نہیں رہ سکتا یہی سنۃ اللہ ہے تو پھر حضرت مسیح کیونکر اب تک بغیر طعام زندہ موجود ہیں اور اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے ''ولن تجد لسنة اللّٰه تبديلا'' اور اگر کوئی کہیں کہ اصحابِ کہف بغیر طعام کے زندہ موجود ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ان کی زندگی بھی اس جہاں کی زندگی نہیں۔ مسلم کی حدیث سو برس ان کو بھی مار چکی ہے بے شک ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اصحابِ کہف بھی شہداء کی طرح زندہ ہیں۔'' (۶۲)

اس آیت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا ہے کہ کوئی جسم ایسا نہیں جسے طعام کی ضرورت نہ ہو ہر جسم کو طعام کی ضرورت ہے مگر اس کا مفہوم یہ نہیں کہ فلاں وقت تک یا فلاں مدت تک کھانا ضروری ہے اگر نہیں کھائے گا تو مرجائے گا وہ مدت اس آیت کے کس لفظ سے سمجھ آرہی ہے؟

مرزا غلام احمد کا کہنا ''ولن تجد لسنة اللّٰه تبديلا'' تو کیا یہ بات صحیح نہیں کہ اللہ نے آگ کے لئے یہ قانون بنایا ہے کہ وہ جلائے مگر قرآن کہتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کو گلزار کردیا گیا تو بس اللہ تعالیٰ اپنے قانون کو اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق تبدیل بھی کرسکتا ہے۔

اور مرزا غلام احمد کا یہ کہنا کہ اصحابِ کہف زندہ ہیں مگر شہداء والی زندگی ان کو حاصل ہے یہ بھی بہت بڑی غلطی ہے۔ اصحابِ کہف نہ تو کفار سے لڑے اور نہ کفار کے ہاتھوں مارے گئے کہ ان کو شہید کی مانند زندگی عطا ہوئی ہو۔

۷۔ ''وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُم'' (۶۳) اس آیت سے مرزا غلام احمد وفاتِ مسیح پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اگر نبی کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا ضروری ہے تو کوئی ایسا نبی پہلے نبیوں میں سے پیش کرو جواب تک موجود ہے اور ظاہر ہے کہ اگر مسیح ابن مریم زندہ رہتے تو پھر یہ دلیل جو خدا تعالیٰ نے پیش کی صحیح نہیں ہوسکی۔'' (۶۴)

مرزا غلام احمد اس آیت سے وفاتِ مسیح پر دو طرح سے استدلال کرتے ہیں (۱) محمد صرف ایک نبی ہیں ان سے پہلے سب نبی فوت ہوگئے (۲) ظاہر ہے کہ اگر مسیح ابن مریم زندہ رہتے تو پھر یہ دلیل جو خدا تعالیٰ نے پیش کی ہے صحیح نہیں ہوسکی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بھی کلام کے عموم سے کسی خاص جز پر استدلال کرنا خلافِ حقیقت ہے کیونکہ عموم کی دلالت اپنے افراد پر نہایت کمزور ہوتی ہے خصوصاً ایسے موقع پر جب کہ کسی خاص جز کا حکم کسی مستقل دلیل سے الگ ثابت ہوچکا

ہو جیسا کہ قرآن میں ہے ''إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ'' (۶۵) اس عموم میں حضرات آدم، حواء اور عیسیٰ ابن مریم شامل نہیں ہیں۔ ''ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ'' (۶۶) اس جگہ بیان ہوا ہے کہ تمام انسانوں کے اعمال ''ظهر الفساد فی البر و البحر'' کا سبب ہیں جبکہ اولیاء صالحین کے ''بما کسبت'' تو فساد کو ختم کرنے کا سبب ہیں۔

اگر کلامِ الٰہی پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر اس آیت سے مرزا غلام احمد والی مراد ہوتی تو قرآنی عبارت یوں ہوتی ''قد ماتت من قبله الرسل افأن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم'' مگر ایسا نہیں تو ظاہر ہوا کہ ضرور کوئی وجہ ہے جس کی وجہ سے ''قد خلت'' کہا گیا ہے۔

مرزا غلام احمد نے اپنی دلیل کے اندر جو یہ بات کہی ہے کہ یہ آیت وفاتِ مسیح پر دلیل ہے اور اگر نبی کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا ہے تو کوئی ایسا نبی پہلے نبیوں میں سے پیش کرو جو اب تک زندہ موجود ہے اور اسی طرح ترجمہ ''سب نبی فوت ہو گئے ہیں'' میں سب کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو ''الرسل'' کے اندر حضور ﷺ بھی شامل ہیں لیکن آپ ﷺ اس وقت حیات تھے۔ اسی طرح اس آیت کے اندر دو لفظ ہیں (۱) قد خلت (۲) الرسل۔ خلت کی بحث تو پہلے بیان کر دی ہے اور الرسل پر الف ولام استغراقی کا ماننا کسی لحاظ سے بھی درست نہیں اس لئے کہ اس وقت خود آنحضرت ﷺ موجود تھے تو پھر کیسے الرسل پر الف ولام استغراق مان لیا جائے۔ اسی طرح مرزا غلام احمد خود بھی خلت کے معنی کئی جگہوں پر موت نہیں لیتے جیسے ''ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل'' یعنی مسیح ابن مریم میں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ وہ صرف ایک رسول ہیں اور اس سے پہلے بھی رسول ہی آتے رہے (۶۷)۔ اسی طرح ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں کہ ''بہت سے نبیوں کی وفات کا خدا تعالیٰ نے ذکر بھی نہیں کیا۔'' (۶۸)

۸۔ ''وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ'' (۶۹) کی تشریح میں لکھتے ہیں ''ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو زندہ اور ایک حالت پر رہنے نہیں دیا پس اگر کوئی مر گیا تو یہ لوگ باقی رہ جائیں گے۔ اس آیت کا مدعیٰ یہ ہے کہ تمام لوگ ایک ہی سنۃ اللہ کے نیچے داخل ہیں اور کوئی موت سے نہیں بچا اور نہ آئندہ بچے گا اور لغت کی روح سے خلود کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہے کیونکہ تغیر موت اور زوال کی تمہید ہے پس نفئ خلود سے ثابت ہوا کہ زمانہ کی تاثیر سے ہر ایک شخص کی موت کی طرف حرکت ہے اور پیرانہ سالی کی طرف رجوع اور اس سے مسیح بن مریم کا بوجہ امتدادِ زمانہ اور شیخ فانی ہو جانے کے بعد فوت ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔'' (۷۰)۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے زمین پر نازل ہوں گے پھر بعد اس کے وفات پائیں گے۔ مسلمان اس بات کے قائل ہی نہیں کہ وہ ہمیشہ رہیں گے۔ مرزا غلام احمد نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام سنۃ اللہ میں داخل ہی نہیں بلکہ وہ آیۃ اللہ ہیں۔

۹۔ ''تِلْکَ أُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُم مَّا کَسَبْتُمْ وَلاَ تُسْأَلُونَ عَمَّا کَانُوا یَعْمَلُون'' (۷۱) کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''اس وقت سے جتنے پیغمبر پہلے ہوئے ہیں یہ ایک گروہ تھا جو فوت ہو گیا ان کے اعمال ان کے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے اور ان کے کاموں سے تم نہیں پوچھے جاؤ گے۔'' (۷۲)

اس آیت سے وفاتِ مسیح پر دلیل لینا غلط ہے۔ اس لئے کہ تلک اسم اشارہ ہے اور اس کا مشار الیہ ایک یہ آیت ہے جس میں ابراہیم، یعقوب، اسماعیل، اسحاق علیہم السلام کا ذکر ہے دوسرا اس سے ماقبل ''ام تقولون ان ابراھیم'' سے ''وما اللہ بغافل عما تعملون'' جو تلک کا مشار الیہ ہے۔ اب جس جماعت کا ذکر پہلے ہے جن کو اس جگہ امت کہا گیا ہے اس میں عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر تک نہیں۔

۱۰۔ ''وَأَوْصَانِیْ بِالصَّلاَۃِ وَالزَّکَاۃِ مَا دُمْتُ حَیّاً'' (۷۳) اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں، ''اس سے یہ بھی ظاہر ہے انجیلی طریقہ نماز پڑھنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وصیت کی گئی تھی اور وہ آسمان پر عیسائیوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں اور حضرت یحییٰ ان کی نماز کی حالت میں یونہی پڑے رہتے ہیں مردہ جو ہوئے اور جب دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو برخلاف اس وصیت کے امتی بن کر مسلمانوں کی طرح نماز پڑھا کریں گے۔'' (۷۴)

مزید لکھتے ہیں، ''اب ظاہر ہے کہ ان تمام تکلیفاتِ شرعیہ کا بجالانا محال ہے اور جو شخص مسیح کی نسبت یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ زندہ مع الجسد آسمان کی طرف اٹھایا گیا اس کو اس آیت موصوفہ کے منشاء موافق یہ بھی ماننا پڑے گا کہ تمام احکام شرعی جو انجیل اور توراۃ کی رو سے انسان پر واجب العمل ہوتے ہیں وہ حضرت مسیح پر اب بھی واجب ہیں کہ تو اپنی والدہ کی خدمت کرتا رہ پھر آپ ہی اس کے زندہ ہونے کی حالت میں ہی اس کی والدہ سے جدا کردے اور تاحیات زکوٰۃ کا حکم دے اور پھر زندہ ہونے کی حالت میں ہی ایسی جگہ پہنچا دے جس جگہ نہ وہ آپ زکوٰۃ دے سکتے ہیں نہ زکوٰۃ کے لئے کسی دوسرے کو نصیحت کر سکتے ہیں اور صلوٰۃ کے لئے تاکید کرے اور جماعتِ مؤمنین سے دور پھینک دیوے جن کی رفاقت تکمیلِ صلوٰۃ کے لئے ضروری ہے، کیا ایسا اٹھائے جانے بجز بہت سے نقصان عمل اور ضائع ہونے حقوق العباد اور فوت ہونے خدمت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کچھ اور بھی فائدہ ہوا۔'' (۷۵)

قرآن میں یہ الفاظ موجود ہیں ''وَأَوْصَانِیْ بِالصَّلاَۃِ وَالزَّکَاۃِ مَا دُمْتُ حَیّاً'' اس میں صرف یہ ہے کہ مجھے نماز کی وصیت کی گئی ہے لیکن یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ انجیل طریقہ پر وصیت کی گئی ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ نماز کا طریق ان کا وہی تھا جو انجیلی تھا لیکن شریعتِ محمدیہ کے بعد محمدی طریقے سے نماز پڑھتے ہوں گے، اب زمین آسمان میں شریعتِ محمدی کا دور دورہ ہے۔ اس کے علاوہ مرزا غلام احمد یہاں انبیاء کی بھی توہین کی ہے یہ کہہ کر کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام یونہی پڑے رہتے ہیں۔

۱۱۔ ''وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدتُّ وَیَوْمَ أَمُوتُ وَیَوْمَ أُبْعَثُ حَیّاً'' (۷۶) اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ ''اس آیت میں واقعاتِ عظیمہ جو حضرت مسیح کے وجود کے متعلق تھے صرف تین بیان کئے ہیں حالانکہ اگر رفع ونزول واقعاتِ صیحہ میں سے ہیں تو ان کا بیان بھی ضروری تھا کیا نعوذ باللہ رفع ونزول حضرت مسیح کا مورد اور محل سلامِ الٰہی نہیں ہونا چاہئے تھا؟ سو اس جگہ پر خدا تعالیٰ کا رفع ونزول کا ترک کرنا جو مسیح کی نسبت مسلمانوں کے دلوں میں بسا ہوا ہے صاف اس بات پر دلیل ہے کہ وہ خیال ہیچ اور خلافِ واقعہ ہے بلکہ وہ رفع یوم اموت میں داخل ہے اور سراسر باطل ہے۔'' (۷۷)۔

یہ آیت خود مرزا غلام احمد کے قول کے خلاف جاتی ہے۔ مرزا غلام احمد روحانی خزائن میں لکھتے ہیں کہ مسیح صلیب پر چڑھایا گیا اور شدتِ درد سے ایسی غشی میں آ گیا کہ گویا وہ موت ہی تھی (۷۸)۔

مزید لکھتے ہیں، ''مسیح ان کے حوالے کیا گیا اس کو تازیانے لگائے گئے جس قدر گالیاں سننا اور فقیہوں اور مولویوں کے اشارے سے طمانچے کھانا اور ہنسی اور ٹھٹھے سے اڑائے جانا اس کے حق میں مقدر تھا سب نے دیکھا۔'' (۷۹)

کیا کسی لغت میں سلامتی کے یہ معنی دکھائے جا سکتے ہیں کہ پہلے کوڑے مارے جائیں جن کے صدمات اور ضربوں سے گوشت پارہ پارہ ہو جائے، ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور پاؤں کے تلوں میں لمبی لمبی کیل ٹھونکی جائیں۔ اگر اس کا نام سلامتی ہے تو یہ سلامتی کا تصور خود مرزا غلام احمد کا پیش کردہ ہے۔

اس آیت میں اموت کا لفظ ہے جو مستقبل کے معنیٰ دے رہا ہے۔ اگر اس آیت کے نزول کے وقت اموت کہ میں مر جاؤں گا جب بھی مجھ پر سلامتی ہو مستقبل کا صیغہ ہے تو یقیناً اس وقت ابھی مرے نہیں تھے اس کے بعد اگر مر گئے ہیں تو اس کا ذکر کس جگہ پر ہے؟ قرآن مجید میں ہے ''کتب علیکم الصیام'' کہ تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے اگر نماز حج، زکوٰۃ بھی فرض ہوتے تو اس آیت میں ان کا بھی ذکر ہوتا۔ معلوم ہوا کہ وہ فرض ہی نہیں۔

۱۲۔ ''وَمِنکُم مَّن یُتَوَفَّی وَمِنکُم مَّن یُرَدُّ إِلَی أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئاً'' (۸۰) کی تشریح میں لکھتے ہیں ''اس آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ سنۃ اللہ دو ہی طرح سے تم پر جاری ہے بعض تم میں سے عمر طبعی سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اور بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں یہاں تک کہ ارذل عمر کی طرف رد کئے جاتے ہیں اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ بعد علم کے نادان محض ہو جاتے ہیں۔'' (۸۱)

یہ آیت قیامت کے منکرین کو سمجھا رہی ہے کہ وہ خدا جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے علقہ بنایا پھر مضغہ بنایا ماں کے پیٹ میں جگہ دی پھر پورا بنا کر پیدا فرمایا پھر جوان کیا پھر تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو کوئی بڑھاپے کی طرف لوٹایا جاتا ہے پھر اس کو کوئی علم نہیں رہتا۔ یہ آیت خدا تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہے۔ وفاتِ مسیح سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام تو نطفہ سے پیدا ہی نہیں ہوئے پس یہ آیت حضرت مسیح کی وفات پر ہرگز پیش نہیں کی جا سکتی۔ اور مرزا غلام احمد کا یہ کہنا کہ سنت دو ہی طرح جاری ہے۔ مرزا غلام احمد نے جو یہ کہا ہے کہ ''بعض عمر طبعی سے پہلے

فوت ہو جاتے ہیں۔'' یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ آیت میں نہ دو کا لفظ ہے نہ طبعی موت کے دو طریقے۔ یہ مرزا غلام احمد نے اپنی طرف سے کیا ہے۔ مرزا غلام احمد کا کہنا بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں مگر عمر طبعی کی حد بیان نہیں کی۔ عمر طبعی کیا ہوتی ہے؟ کہ اس سے تجاوز کر جائے تو وہ عمر ارذل ہے یہ اللہ کے علم میں ہے کہ کس کی کتنی عمر طبعی ہے جب عمر مقرر اختتام کو پہنچتی ہے تو موت آ جاتی ہے۔

۱۳۔''وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ'(۸۲) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''تم اپنے جسم خاکی کے ساتھ زمین پر ہی رہو گے یہاں تک کہ اپنے تمتع کے دن پورے کر کے مر جاؤ۔ یہ آیت خاکی جسم کو آسمان پر جانے سے روکتی ہے کیونکہ لکم جو اس جگہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے اس بات پر بصراحت دلالت کر رہا ہے کہ جسم خاکی آسمان پر نہیں جا سکتا۔''(۸۳)

مرزا غلام احمد نے جسم خاکی اور مر جاؤ گے قرآن کے کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے؟ اور یہ کہنا کہ لکم میں لام تخصیص ہے کس کے لئے؟ یہ واضح نہیں کیا۔ البتہ لام تخصیص کا ماننا ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ آیت وفات مسیح پر نہیں۔

لکم میں ضمیر کا مرجع آدم، حواء اور شیطان ہیں۔ لکم میں انہی کی تخصیص ہے کیونکہ پس منظر میں انہی کا تذکرہ ہے، انہی سے کہا گیا ''وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ'' اور اس وقت کہا گیا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہی نہیں ہوئی تھی۔

الیٰ حین کا ترجمہ مرزا غلام احمد نے کیا ہے یہاں تک کہ مر جاؤ۔ مگر کسی بھی لغت سے حین کا ترجمہ موت سے نہیں کیا گیا۔ اگر مان بھی لیا جائے تو ترجمہ ہوگا کہ موت تک زمین پر رہنا ہے۔ اس سے ثابت ہوگا موت آنے کے بعد زمین پر رہنا ختم۔ اب لاشیں کہاں جائیں گی زمین پر رہنے کا وقت تو ختم ہو گیا باقی آسمان ہی بچتا ہے۔

۱۴۔''وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ''(۸۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''اگر مسیح ابن مریم کی نسبت کہا جائے کہ اب تک جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک مدت دراز سے ان کی انسانی قویٰ میں بالکل فرق آ گیا ہوگا اور یہ حالت صرف موت کو چاہتی ہے۔''(۸۵)

مرزا غلام احمد نے کوئی کلیہ بیان نہیں کیا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اصل عمر کی مقدار کتنی ہے، جس کو ہم ارذل کہہ سکیں۔ ہم کتب سابقہ میں دیکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر نو سو تیس سال اور حضرت شیث علیہ السلام کی عمر نو سو بارہ سال، حضرت نوح علیہ السلام کی ہزار سال، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک سو بیس سال عمریں تھیں مگر ان کے قویٰ میں فرق نہیں آیا۔ کئی واقعات ایسے ہیں کہ پچاس یا پچپن سال کی عمر میں دانت ختم، آنکھوں کی بینائی کام کرنا چھوڑ گئی، تمام اعضاء کام کرنا چھوڑ گئے مگر کئی اشخاص ایسے ہیں کہ سو برس کی عمر ہو گئی، آنکھیں اور باقی اعضاء پورے آب و تاب سے کام کر رہے ہیں۔

آسمان کے حالات کو زمین کے حالات پر قیاس کرنا بڑی غلطی ہے۔ آسمان پر رہنے سے کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع

نہیں ہوتی وگرنہ جبرائیل علیہ السلام، حاملینِ عرش اور دوسرے فرشتے سب کمزور ہو کر تھک گئے ہوتے، عرش نیچے گرا دیتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معراج کی رات اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آپ ﷺ نے واپسی پر یہ ارشاد فرمایا: رأیت عیسیٰ علیہ السلام شاباً (۸۶)

۱۵۔ ''اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ ضَعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضَعۡفٍ قُوَّۃً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّۃٍ ضَعۡفًا وَّ شَیۡبَۃً'' (۸۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''خدا وہ خدا ہے جس نے تم کو ضعف سے پیدا کیا پھر ضعف کے بعد قوت دی پھر قوت کے بعد ضعف اور پیرانہ سالی دی۔ یہ آیت بھی صریح طور پر اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ کوئی انسان اس قانونِ قدرت سے باہر نہیں ہے۔'' (۸۸) اس آیت میں بھی وفاتِ مسیح علیہ السلام کا کوئی ذکر نہیں۔

اس جگہ سورۂ روم کی آیت نمبر ۵۴ کو سامنے رکھ کر توجہ کریں کہ وہ لڑکا جو پیدا ہونے پر ہی فوت ہو گیا اور ایک جوان ہو کر فوت ہو گیا۔ اس آیت کا مصداق کیسے بن سکتے ہیں جب عام حالات میں بھی اس آیت کو قانونِ کلیہ نہیں بنایا جا سکتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کی پیدائش سے تمام زندگی عام لوگوں سے کئی اعتبار سے مختلف ہے اور آیۃ اللہ میں ان کا شمار ہوتا ہے ان پر اس آیت کو چسپاں کر کے ان کے لئے اس آیت سے موت کی دلیل دینا کیسے درست ہے۔

۱۶۔ ''إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ'' (۸۹) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اس زندگی دنیا کی مثال یہ ہے کہ جیسے اس پانی کی مثال ہے جس کو ہم آسمان سے اتارتے ہیں پھر زمین کی روئیدگی مل جاتی ہے پھر وہ روئیدگی بڑھتی اور پھولتی ہے اور آخر کار کاٹی جاتی ہے۔ یعنی کھیتی کی طرح انسان پیدا ہوتا ہے اول کمال کی طرف رخ کرتا ہے پھر اس کا زوال ہو جاتا ہے۔ کیا اس قانونِ قدرت سے مسیح باہر رکھا گیا ہے؟۔'' (۹۰)

اس آیت سے تو یہ ثابت ہوا کہ پانی سے کھیتی اور پھل تیار ہوتے ہیں اور پھر کھیتی کاٹ دی جاتی ہے، اسی طرح انسان ہے جو اس کو زندگی ملتی ہے بالآخر موت کے منہ میں چلا جاتا ہے اس کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔ اختلاف درازئ عمر میں چل رہا ہے جس طرح کدو، کھیرا اور ترکاریوں کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے جلد پک کر کاٹ لی جاتی ہے یہ بھی کھیتی ہے جب کہ گندم کی فصل جو کئی مہینوں کے بعد تیار ہوتی ہے پھر کاٹی جاتی ہے اور دیر تک اس کا ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ درختوں میں آڑو کا درخت دو سال میں تیار ہوتا ہے۔ آم اور سیب کا درخت دس بارہ سال میں تیار ہوتا ہے اسی طرح انسان کی عمروں میں بھی برابری نہیں ہے اور نہ ہی قانونِ قدرت ہر ایک میں یکساں ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی۔

۱۷۔ ''وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ'' (۹۱) کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''ہم نے تجھ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے ہیں وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں پھرتے تھے اور پہلے ہم بانصِ قرآنی ثابت کر چکے ہیں کہ دنیوی حیات کا لزوم طعام کا ہے۔ سو چونکہ اب نبی طعام نہیں کھاتے اس سے

ثابت ہے کہ وہ سب فوت ہو چکے ہیں اس کلمۂ حصر میں مسیح بھی داخل ہیں۔'' (۹۲)

یہ آیت منکرینِ نبوت سے متعلق ہے اور ان کا جواب ہے کیونکہ وہ حضور ﷺ کو بنظر حقارت دیکھتے اور کہتے'' **مالھذا الرسول یأکل الطعام ویمشی فی الأسواق**'' اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ پاک نے فرمایا کھانا پینا، بازاروں میں چلنا پھرنا نبوت کے منافی نہیں۔ کوئی بھی عقل مند انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ آیت وفاتِ مسیح علیہ السلام پر دلیل ہے۔

۱۸۔'' **وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئاً وَّہُمْ یُخْلَقُوْنَ أَمْوَاتٌ غَیْرُ أَحْیَاءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ أَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ**'' (۹۳) کی تفسیر میں لکھتے ہیں'' جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کئے جاتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ آپ پیدا شدہ ہیں زندہ بھی تو نہیں ہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ یہ آیتیں کس قدر صراحت سے مسیح اور سب انسانوں کی وفات پر دلالت کر رہی ہیں جن کو یہود و نصاریٰ اور بعض فرقے عرب کے اپنا معبود ٹھہراتے تھے اگر اب بھی آپ لوگ مسیح بن مریم کی وفات کے قائل نہیں ہوئے تو یہ سیدھے یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہمیں قرآن ماننے میں کلام ہے۔ قرآن کریم کی آیتیں سن کر پھر وہیں ٹھہر نہ جانا کیا ایمانداروں کا کام ہے۔'' (۹۴)

مرزا غلام احمد اس آیت کو وفاتِ مسیح علیہ السلام پر اس لئے پیش کر رہے ہیں چونکہ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو معبود جانتے ہیں اور اس آیت میں صاف موجود ہے'' **والذین یدعون من دون اللہ**'' اور پھر ہے'' **اموات غیر احیاء**'' جس سے پردہ چاک ہوتا ہے جیسے عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو معبود جانتے ہیں ایسے ہی روح القدس کو بھی معبود سمجھتے ہیں، ان کے مذہب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ثالث ثلاثہ کے قائل ہیں ایک اللہ تعالیٰ دوسرے مسیح علیہ السلام تیسرے روح القدس۔ کیا اس آیت سے صرف مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت ہوئی یا روح القدس کی بھی؟ اگر روح القدس کی وفات ماننے کے لئے تیار نہیں تو آخر کیوں؟ وہ بھی تو من دون اللہ میں شامل ہیں۔

اس آیت میں بت مراد ہیں نہ کہ مسیح علیہ السلام کیونکہ'' **اموات غیر احیاء**'' بتوں کی صفت ہے جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ تھے اور زندہ ہیں۔ بتوں میں کبھی بھی حیات نہیں رہی۔ مرزا غلام احمد کے بقول حضرت مسیح علیہ السلام میں حیات تھی تو اس میں کیسے شامل ہو گئے؟۔

۱۹۔'' **مَا کَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ**'' (۹۵) کی تشریح میں لکھتے ہیں '' محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا نبیوں کا۔ یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی ﷺ کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا پس اس سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ دنیا میں آ نہیں سکتا کیونکہ مسیح ابن مریم رسول ہے اور رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو بذریعہ جبرائیل حاصل کرے اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ وحیٔ رسالت تا با قیامت منقطع ہے اس سے ضروری طور پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ مسیح ابن مریم ہرگز نہیں آئے گا اور یہ امر خود مستلزم اس بات کو ہے کہ وہ مر گیا۔'' (۹۶)

مرزا غلام احمد اس آیت کے تحت یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں اگر عیسیٰ زندہ ہیں اور بنفس نفیس قیامت سے پہلے آنے والے ہیں تو حضور ﷺ کے بعد پھر یہ آیت کسی کے آنے کو تسلیم نہیں کرتی تو وہ کیسے آسکتے ہیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے ''إِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ'' (۹۷) اس آیت میں یہ بات واضح ہے کہ جس قدر انبیاء اور رسول حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک گزرے ہیں یہ سب وعدہ کر چکے ہیں کہ ہم محمد ﷺ کی امت میں اپنے آپ کو داخل و شمار سمجھیں گے اور ان پر ایمان لائیں گے۔ اس آیت کی عملی تفسیر معراج کی رات سامنے آئی کہ حضور ﷺ نے امامت فرمائی، حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک تمام انبیاء نے آپ کی امامت میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ اس آیت کے مفہوم کے مطابق سارے کے سارے انبیاء جب حضور ﷺ کی امت میں شامل ہوتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس میں میثاقِ ازلی کے ایفاء کے طور دنیا میں آنا، خلیفۃ المسلمین بننا، حضور ﷺ کے اعلیٰ درجۂ رسالت کا مظہر ہے نہ کہ آنحضرت ﷺ کے درجۂ خاتمیت کے منافی۔

۲۰۔ ''يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي'' (۹۸) آیت بالا کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''یعنی اے نفس بحق آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پھر اس کے بعد میرے ان بندوں میں داخل ہو جا جو دنیا کو چھوڑ گئے ہیں اور میرے بہشت کے اندر آ۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انسان جب تک فوت نہ ہو جائے گزشتہ لوگوں کی جماعت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا لیکن معراج کی حدیث سے جس کو بخاری نے بھی مبسوط طور پر اپنی صحیح میں لکھا ہے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت شدہ نبیوں کی جماعت میں داخل ہے لہٰذا حسبِ دلالتِ صریحہ اس نص کے مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا ضروری طور پر ماننا پڑا۔'' (۹۹)

اس آیت کا تعلق قیامت برپا ہو جانے کے بعد سے ہے جو لوگ میزانِ اعمال سے گزر کر کامیابی حاصل کرلیں گے ان کے حق میں یہ آیت ہے۔ مرزا غلام احمد نے اس آیت میں بھی اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے قرآنی ترجمہ میں تحریف کی ہے مثلاً جو دنیا کو چھوڑ گئے ہیں۔ اس آیت میں یہ کسی لفظ کا بھی ترجمہ نہیں۔ اسی طرح انسان جب تک فوت نہ ہو جائے گزشتہ لوگوں کی جماعت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ پورا مفہوم قرآن کی کس آیت یا احادیث کے ذخیرہ میں کس حدیث سے اخذ کیا گیا ہے معلوم نہیں۔ معراج والی حدیث کا حوالہ دے کر مرزا غلام احمد نے بہت بڑی غلطی کی ہے اس لئے کہ اگر مسیح علیہ السلام باقی فوت شدہ انبیاء علیہم السلام میں دیکھے گئے اس لئے ان کو فوت شدہ مانا جائے تو پھر کیا خیال ہے خود حضور ﷺ ان میں دیکھے گئے، کیا وہ بھی فوت شدہ تھے؟ اور مرزا غلام احمد کا یہ کہنا کہ انسان جب تک فوت نہ ہو جائے گزشتہ لوگوں کی جماعت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا کیا حضور ﷺ فوت شدہ تھے؟ کہ وہ فوت شدہ نبیوں میں دیکھے گئے۔

۲۱۔''اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ''(۱۰۰) اس آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں ''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قانونِ قدرت یہ بتلایا ہے کہ انسان کی زندگی میں صرف چار واقعات ہیں پہلے وہ پیدا کیا جاتا ہے پھر تکمیل اور تربیت کے لئے روحانی اور جسمانی طور پر رزق مقسوم اسے ملتا ہے پھر اس پر موت وارد ہوتی ہے پھر وہ زندہ کیا جاتا ہے۔اب ظاہر ہے کہ ان آیات میں کوئی ایسا کلمہ استثنائی نہیں جس کے رو سے مسیح کے واقعات خاصہ باہر رکھے گئے ہوں حالانکہ قرآن کریم اول سے آخر تک یہ التزام رکھتا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے ذکر کرنے کے وقت کوئی فرد بشر باہر نکالنے کے لائق ہو تو فی الفور اس قاعدہ کلیہ سے اس کو باہر نکال لیتا ہے یا اس کے واقعاتِ خاصہ بیان کر دیتا ہے۔''(۱۰۱)

مرزا غلام احمد اس آیت کو قانونِ کلی کے طور پر پیش کر رہے ہیں حالانکہ یہ آیت قانونِ کلی نہیں ہے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان پیدا ہوتے ہی رزق حاصل کئے بغیر فوت ہو جاتا ہے نیز''ثم یحییکم'' میں حیات کی کسی خاص مقدار کو نہیں مقرر کیا گیا کہ کوئی کتنا زندہ رہے گا۔دوسرا کلیہ بھی مرزا غلام احمد نے غلط بیان کیا ہے اس لئے کہ قرآن میں ہے''خُلِقَ مِنۡ مَّاءٍ دَافِقٍ یَخۡرُجُ مِنۡ بَیۡنِ الصُّلۡبِ وَ التَّرَائِبِ'(۱۰۲) اس قاعدہ میں حضرت آدم وحواء، حضرت مسیح علیہ السلام شامل نہیں۔اسی طرح مرزا غلام احمد کے پیش کردہ آیت سے وفاتِ مسیح ثابت نہیں ہو سکتی لیکن حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق ان چاروں مراحل کا اعتراف کرتے ہیں۔

۲۲۔''کُلُّ مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍ وَیَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِکۡرَام''(۱۰۳) کی تفسیر میں لکھتے ہیں''یعنی ہر ایک چیز جو زمین میں موجود ہے اور زمین سے نکلتی ہے وہ معرض فنا میں ہے۔یعنی دم بدم فنا کی طرف سفر کر رہی ہے۔مطلب یہ کہ ہر ایک جسمِ خاکی کو نابود ہونے کی ایک حرکت ہے اور کوئی وقت اس حرکت سے خالی نہیں، وہی حرکت بچہ کو جوان کر دیتی ہے اور جوان کو بڈھا، اور بڈھے کو قبر میں ڈال دیتی ہے اور اس قانونِ قدرت سے کوئی باہر نہیں۔خدا تعالیٰ نے فانٍ کا لفظ اختیار کیا ہے یفنی نہیں کہا تا کہ معلوم ہو کہ فنا ایسی چیز نہیں کہ کسی آئندہ زمانہ میں یک دفعہ واقع ہوگی بلکہ سلسلۂ فنا کا ساتھ ساتھ جاری ہے لیکن ہمارے مولوی یہ گمان کر رہے ہیں کہ مسیح ابن مریم اسی فانی جسم کے ساتھ جس میں بموجبِ نص صریح کے ہر دم فنا کام کر رہی ہے فلا تغیر وتبدل آسمان پر بیٹھا ہے اور زمانہ اس پر اثر نہیں کرتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بھی مسیح کو کائنات الارض میں سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔''(۱۰۴)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ساری مخلوق فنا ہونے والی ہے مگر کب؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔فنا دو قسم کی ہے (۱) فنا بالفعل (۲) فنا بالقوہ۔اس آیت میں فنا بالفعل کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں ہے فنا بالقوہ کا تذکرہ ہے کہ یقیناً ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور ہم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح علیہ السلام فنا میں آنے والے ہیں۔

۲۳۔''اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ نَہَرٍ فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡکٍ مُّقۡتَدِرٍ''(۱۰۵) کی تفسیر میں لکھتے ہیں''یعنی متقی لوگ جو خدا تعالیٰ سے ڈر کر ہر ایک قسم کی سرکشی کو چھوڑ دیتے ہیں وہ فوت ہونے کے بعد جنات اور نہر میں ہیں، صدق کی

نشست گاہ میں بااقتدار بادشاہ کے پاس۔اب ان آیات کی رو سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے دخولِ جنت اور مقعدِ صدق میں تلازم رکھا ہے یعنی خدا تعالیٰ کے پاس پہنچنا اور جنت میں داخل ہونا ایک دوسرے کا لازم ٹھہرایا گیا ہے سو اگر ''رافعک الی'' کے یہی معنیٰ ہیں جو مسیح خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا تو بلاشبہ وہ جنت میں بھی داخل ہو گیا جیسا کہ دوسری آیت یعنی ''ارجعی الی ربک'' جو ''رافعک الی'' کے ہم معنی ہے بصراحت اسی پر دلالت کر رہی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا جانا اور گزشتہ مقربوں کی جماعت میں شامل ہو جانا اور بہشت میں داخل ہو جانا یہ تینوں مفہوم ایک ہی آن میں پورے ہو جاتے ہیں پس اس آیت سے بھی مسیح ابن مریم کا فوت ہونا ہی ثابت ہوا۔'' (۱۰۶)

آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے وہ فوت ہونے کے بعد۔یہ مرزا غلام احمد نے اپنی طرف سے بنایا ہے اور اس آیت میں قیامت کے بعد متقیوں کا جنت میں داخلے کا ذکر ہے نہ کہ مرنے کے ساتھ ہی جنت میں داخلے کا۔اسی طرح اگر مقربین میں داخل ہونا وفات کی دلیل ہے تو پھر معراج کی رات حضور ﷺ مقربین میں داخل ہوئے۔بوجہ مقربین میں داخل ہونے کے آپ پر بھی موت کا آجانا لازمی ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

۲۴۔ ''إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَى أُولَئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ'' (۱۰۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''یعنی جو لوگ جنتی ہیں اور ان کا جنتی ہونا ہماری طرف سے قرار پا چکا ہے وہ دوزخ سے دور کئے گئے ہیں اور وہ بہشت کی دائمی لذات میں ہیں۔اس آیت سے مراد حضرت عزیر اور حضرت مسیح ہیں اور ان کا بہشت میں داخل ہو جانا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی موت بھی پایۂ ثبوت پہنچی۔'' (۱۰۸)

اس آیت کا تعلق قیامت برپا ہونے کے بعد سے ہے اور مرزا غلام احمد کا یہ کہنا کہ وہ بہشت کی دائمی لذات میں تو کیا بہشت زمین پر ہے یا آسمان پر؟ اگر زمین پر ہے تو بالکل باطل ہے اور اگر کہا جائے کہ بہشت آسمان پر ہے تو پھر انسان کا جسدِ عنصری آسمان پر جانا ثابت ہو گیا۔

۲۵۔ ''أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ'' (۱۰۹) کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''یعنی جس جگہ تم ہو اسی جگہ موت تمہیں پکڑے گی اگرچہ تم بڑے مرتفع برجوں میں بود و باش اختیار کرو۔اس آیت سے بھی صریح ثابت ہوتا ہے کہ موت اور لوازمِ موت ہر ایک جسمِ خاکی پر وارد ہو جاتے ہیں یہی سنۃ اللہ ہے اور اس جگہ بھی استثنیٰ کے طور پر کوئی ایسی عبارت بلکہ ایک ایسا کلمہ بھی نہیں لکھا گیا ہے جس سے مسیح باہر رہ جاتا پس بلاشبہ یہ اشارۃ النص بھی مسیح ابن مریم کی موت پر دلالت کر رہے ہیں۔موت کے تعاقب سے مراد زمانہ کا اثر ہے جو ضعف اور پیری یا امراض و آفات الی الموت تک پہنچاتا ہے۔اس سے کوئی نفس مخلوق خالی نہیں۔'' (۱۱۰)

اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ آپ ﷺ ہجرت کر کے جب مدینہ تشریف لے گئے تو کفار مکہ نے مدینہ پر حملہ

کرنے کا ارادہ کیا جس کا پتہ چلنے پر کفار کے ساتھ مقابلے کے لئے تیاری کا حکم فرمایا تو بعض کمزور طبع حضرات نے مقابلہ سے جی چرایا جس پر تنبیہاً کئی آیات نازل ہوئیں ان میں ایک آیت یہ بھی ہے جس میں ہے کہ مقابلہ کرنے سے جی چرا رہے ہو کہ موت نہ آئے، موت تو کہیں بھی آسکتی ہے اگرچہ بلند و بالا برجوں میں ہی کیوں نہ ہو۔ باقی رہا مرزا غلام احمد کا یہ کہنا کہ زمانہ سے جسم پر لوازمِ موت وارد ہوتے ہیں تو یہ کفار کا نظریہ ہے اسلام کا سکھایا ہوا عقیدہ نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے رفقاء کا وفات مسیح ابن مریم علیہ السلام پر عقیدہ رکھنا قرآن، حدیث اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ اور امت میں آج تک اس مسئلہ میں اختلاف نہیں پایا گیا۔ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام حیات ہیں اور قرب قیامت دوبارہ تشریف لائیں گے۔ لہٰذا اہل علم کو چاہیے کہ جہاں وہ اپنے علم کے ذریعے سے لوگوں کو مستفید کررہے ہیں وہاں ایسے باطل اور گمراہ لوگوں کے خلاف منظم انداز میں کام کریں جو اسلامی عقائد کو اپنے غلط مقاصد کے حصول کے لیے قرآن وحدیث کا سہارا لے کر غلط انداز میں پیش کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خلوص نیت سے اپنے دین کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مراجع وحواشی

(۱)　قادیانی، غلام احمد، مرزا، روحانی خزائن، ج ۳، ص ۴۰۰، ربوہ، نظارت اشاعت

(۲)　روحانی خزائن، ج ۱، ص ۴۰۱

(۳)　الصنعانی، عبدالرزاق بن ھمام، المصنف، باب الدجال، ج ۱، ص ۳۳۵، بیروت، المکتبۃ الاسلامی، ۱۹۷۰ء۔

(۴)　آل عمران (۳) ۵۵

(۵)　قادیانی، غلام احمد، مرزا، تفسیر، ج ۳، ص ۶۰، ربوہ، ادارۃ المصنفین　(۶)　ایضاً　(۷)　روحانی خزائن ج ۱ ص ۶۲۰

(۸)　روحانی خزائن، ج ۱۲ ص ۲۳　(۹)　بشیر الدین محمود احمد، تفسیر صغیر، ص ۷۵، اسلام انٹرنیشنل پبلیشر لمیٹڈ، ۱۹۹۰ء

(۱۰)　آل عمران (۳) ۲۵　(۱۱)　تفسیر صغیر، ص ۸۲　(۱۲)　النساء (۴) ۱۷۳　(۱۳)　تفسیر صغیر، ص ۱۳۸

(۱۴)　اسماعیل بن محمد، قوام السنہ، الترغیب والترھیب، باب ماجاء فی فضل الحج، ص ۲۰۵، قاہرہ، دار الحدیث، ۱۴۱۴ھ

(۱۵)　سورۃ البقرہ (۲) ۴۳　(۱۶)　آل عمران (۳) ۴۳　(۱۷)　سورہ جاثیہ (۴۵) ۲۴　(۱۸)　البقرہ (۲) ۱۷۷

(۱۹)　البقرہ (۲) ۲۳۴　(۲۰)　البقرہ (۲) ۲۴۰　(۲۱)　البقرہ (۲) ۲۷۲　(۲۲)　البقرہ (۲) ۲۸۱

(۲۳)　آل عمران (۳) ۲۵　(۲۴)　آل عمران (۳) ۵۷　(۲۵)　آل عمران (۳) ۶۷　(۲۶)　المائدہ (۵) ۱

(۲۷)　النساء (۴) ۱۵۸　(۲۸)　تفسیر، ج ۳، ص ۳۲۷　(۲۹)　البقرہ (۲) ۶۳　(۳۰)　سورۃ الرعد (۱۳) ۲

(۳۱)　سورۃ الم نشرح (۹۴) ۴　(۳۲)　سورۂ یوسف (۱۲) ۶۷　(۳۳)　سورۃ النساء (۴) ۱۵۷۔۱۵۸

(۳۴)　بھیروی، نورالدین، حکیم۔ فصل الخطاب، ص ۳۱۳۔۳۱۴، ربوہ، نظارت اشاعت　(۳۵)　مائدہ (۶) ۱۱۷

(۳۶) تفسیر، ج ۴،ص ۵۸

(۳۷) رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب المعروف تفسیر کبیر الرازی، ج ۱۲،ص ۱۴۴، مصر: المطبعۃ البھیہ، ۱۳۵۷ھ

(۳۸) آلوسی، شہاب الدین۔سید۔روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج ۷،ص ۶، مصر، ادارۃ الطباعۃ المنبر یہ، س۔ن۔

(۳۹) مظہری، محمد ثناء اللہ، تفسیر مظہری، ج ۳،ص ۲۲۸، پاکستان: مکتبہ رشدیہ، ۱۴۱۲ھ　(۴۰) سورہ یٰس (۳۶)۵۱

(۴۱) سورہ انعام (۶)۳۰　(۴۲) سورہ سباء (۳۴)۵۱

(۴۳) جامی، نورالدین عبدالرحمن۔الفوائد الضیائیہ المعروف بہ شرح ملا جامی، بحث اسماء ظروف، ص ۲۳۴، ملتان: مکتبہ علوم اسلامیہ

(۴۴) بخاری، محمد بن اسماعیل۔الجامع الصحیح، ج ۲،ص ۶۶۵، کراچی: قدیمی کتب خانہ

(۴۵) الانبیاء (۲۱)۱۰۴　(۴۶) البقرہ (۲)۱۸۲　(۴۷) النساء (۴)۱۵۹　(۴۸) تفسیر، ۳۴۶/۳۔۳۴۸

(۴۹) آل عمران (۳)۸۱　(۵۰) سورہ عنکبوت (۲۹)۹

(۵۱) اندلسی، محمد بن یوسف، تفسیر بحر المحیط، ج ۴،ص ۱۲۹، بیروت، دار الفکر، ۱۴۲۰ھ

(۵۲) آل عمران (۳)۶۴　(۵۳) المائدہ (۶)۵۷　(۵۴) تفسیر، ج ۴،ص ۴۵۔۴۷　(۵۵) التوبہ (۹)۱۱۳

(۵۶) التوبہ (۹)۱۱۵　(۵۷) التوبہ (۹)۱۲۲　(۵۸) البقرہ (۲)۱۴　(۵۹) آل عمران (۳)۱۱۹

(۶۰) المؤمن (۴۰)۸۵　(۶۱) الانبیاء (۲۱)۸　(۶۲) تفسیر، ج ۶،ص ۴۷　(۶۳) آل عمران (۳)۱۴۴

(۶۴) تفسیر، ج ۳،ص ۱۵۶　(۶۵) دہر (۷۶)۱　(۶۶) روم (۳۶)۴۱　(۶۷) روحانی خزائن، ج ۶،ص ۸۹

(۶۸) روحانی خزائن، ج ۱۴،ص ۳۸۷　(۶۹) انبیاء (۲۱)۳۴　(۷۰) تفسیر، ج ۶،ص ۶۴۔　(۷۱) بقرہ (۲)۱۴۱

(۷۲) تفسیر، ج ۲،ص ۲۰۶　(۷۳) مریم (۱۹)۳۱　(۷۴) تفسیر، ج ۶،ص ۵۔　(۷۵) تفسیر، ج ۶ص ۳۳۲

(۷۶) مریم (۱۹)۳۳　(۷۷) تفسیر، ج ۶،ص ۷　(۷۸) روحانی خزائن، ج ۱۹،ص ۵۷　(۷۹) روحانی خزائن، ج ۳،ص ۲۹۵

(۸۰) الحج (۲۲)۵　(۸۱) تفسیر، ج ۶،ص ۱۱۳　(۸۲) بقرہ (۲)۳۶　(۸۳) تفسیر، ج ۲،ص ۱۳۷

(۸۴) یٰس (۳۶)۶۸　(۸۵) تفسیر، ج ۷،ص ۱۴۲

(۸۶) احمد بن حنبل، امام، مسند امام احمد بن حنبل، ج ۱،ص ۴۷۳، مؤسسۃ الرسالہ، ۱۹۹۹ء

(۸۷) روم (۳۰)۵۴　(۸۸) تفسیر، ج ۵،ص ۲۲　(۸۹) یونس (۱۰)۲۴　(۹۰) تفسیر، ج ۵،ص ۲۰

(۹۱) فرقان (۲۵)۲۰　(۹۲) تفسیر، ج ۶،ص ۳۴۲　(۹۳) نحل (۱۶)۲۰۔۲۱　(۹۴) تفسیر، ج ۵،ص ۱۴۹

(۹۵) احزاب (۳۳)۴۰　(۹۶) تفسیر، ج ۷،ص ۵۲　(۹۷) آل عمران (۳)۸۱　(۹۸) فجر (۸۹)۲۷۔۳۰

(۹۹) تفسیر، ج ۸،ص ۳۶۰　(۱۰۰) روم (۳۰)۴۰　(۱۰۱) تفسیر، ج ۷،ص ۱۵　(۱۰۲) طارق (۸۶)۶۔۷

(۱۰۳) رحمن (۵۵)۲۶۔۲۷　(۱۰۴) تفسیر، ج ۸،ص ۵۶　(۱۰۵) القمر (۵۴)۵۴۔۵۵　(۱۰۶) تفسیر، ج ۸،ص ۴۸

(۱۰۷) انبیاء (۲۱)۱۰۰۔۱۰۱　(۱۰۸) تفسیر، ج ۶،ص ۱۰۳　(۱۰۹) نساء (۴)۷۸　(۱۱۰) تفسیر، ج ۳،ص ۲۵۷